''خاندان اجتہاد اور عزاداری''

سید مصطفی حسین نقوی اسیف جائسی
مدیر ماہنامہ ''شعاع عمل''، لکھنؤ

حضرت آدم علیہ السلام نے جب سے زمین پر قدم رکھا تب ہی سے زمین پر ذکر امام حسینؑ اور ان کے مصائب پر آہ و بکا کا سلسلہ شروع ہوگیا بعد ازاں جتنے بھی انبیاء کرام دنیا میں ہدایت بشر کے لئے آئے انھیں زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر جبرئیل کے ذریعہ حسینؑ مظلوم کی عظیم قربانی ومصیبت کی طرف ضرور متوجہ کیا گیا اور انھوں نے مستقبل کی اس مصیبت عظمٰی پر گریہ کرکے بتایا کہ مصیبت پر گریہ بدعت نہیں بلکہ مظلوم کا تذکرہ باعث انقلاب نیز ندامت ظالمین و خاتمۂ ظلم کا سبب ہے شاید اسی لئے شاعر کہتا ہے

''نعرۂ انقلاب ہے ماتم رفتگاں نہیں''

اور اگر کبھی کسی عدوئے فطرت نے کہہ بھی دیا کہ ''وہ روئیں جو قاتل ہیں ممات شہدا کے۔ ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے'' تو فوراً خاندان اجتہاد کا رکن رکین اپنے آبائی فریضے کے تحت ایسی سوچ رکھنے والوں کو صرف خاموش ہی نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ کے لئے دعوت فکر بھی یہ کہہ کر دیدیتا ہے کہ ؎

کیا روؤ گے ان کو جو ہلاک ابدی ہیں
کیوں زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

(سید العلماءؒ)

ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمس اپنی کتاب ''ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ''، میں رقم طراز ہیں: ـ

تعزیہ داری کا وجود ہندوستان میں بہت پہلے سے تھا۔ دکن میں عاشور خانہ، سندھ میں امام بارگاہ تھی۔ شمالی ہند میں پھونس اور کپڑے کے امامباڑے محرم میں بنتے تھے۔ دس دن کے لیئے پختہ عمارت کی کیا ضرورت تھی۔ مبکی نظمیں تنہا اور چند آدمی مل کے راگ سے پڑھتے تھے۔ موجودہ زمانہ کی سوز خوانی اسی کی یادگار ہے، اس سے بجز حصول ثواب اور کوئی افادیت نہ تھی۔ وہ بھی جب کہ حدود شرع میں ہو، جلوس بھی نکلتے تھے جن میں شہنائی، روشن چوکی، طبل، تاشہ، جھانجھ بجتے اور ماہی مراتب (مچھلی اور چوپاؤں کے سر چاندی اور پیتل کے بانسوں پر لگے ہوئے) کے ساتھ براق اور گنبد تعزیوں کی جگہ ہوتے تھے، کچھ کچھ دور پر ٹھہر ٹھہر کے بانک اور پٹے کا فن دکھاتے اور یا حسینؑ کی آواز بلند کرتے۔ ان رواسم کی بجا آوری میں سب مسلمان یکساں طور پر شریک تھے۔

غفرانمآبؒ نے روشن چوکی اور شہنائی کو آلات غنا ہونے کی وجہ سے حرام اور طبل کو جنگی باجہ ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا، جھنڈیوں اور ماہی مراتب کے بدلے علم، گنبد کی جگہ تعزیے اور بانک اور پٹے کا فن دکھانے کے بجائے سینہ زنی اور حسین حسینؑ کو رواج دیا۔

حاضری، مہندی اور نذر و نیاز ایسے رواسم قائم

کئے، محرم کے دس دن میں ہر دن ایک شہید کے ذکر سے مخصوص کیا۔ مجلسوں میں عراق کی روضہ خوانی کے طرز پر ذاکری شروع کی۔ جس میں اہلبیت علیہم السلام کے فضائل میں حدیثیں بھی مصائب کے ساتھ بیان کی جانے لگیں۔ اس طرح مجلس کی افادیت بڑھ گئی اور اس میں تبلیغی پہلو پیدا ہوگیا۔ اور ان رواسم کو اتنا عام کر دیا کہ گھر گھر مجلس اور گلی گلی تعزیئے اٹھنے لگے۔ اس طرح انہوں نے شیعوں کی تعزیہ داری کو، ایک نئی شکل دے کر عام مسلمانوں سے علیٰحدہ کر دیا۔ اور اس سے مذہبی تبلیغ، قومی تنظیم اور شیعی تمدن کی تشکیل کی۔

اس سلسلہ میں ایک کمی جو عراق وایران میں ہے انہوں نے یہاں اس کو پورا کیا۔ عراق و ایران کے علماء مجلسیں پڑھنا اپنی شان اور مرتبہ کے خلاف سمجھتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذاکری جسے وہاں روضہ خوانی کہتے ہیں کم پڑھے لکھے لوگوں کا کام رہ گیا۔ اور اس میں کوئی ترقی نہ ہوسکی۔ ہندوستان میں مجلسوں میں مرثیہ پڑھا جاتا تھا۔ انکا خیال تھا کہ مجلس شاعرانہ کمال دکھانے کی جگہ نہیں ہے اس میں فضائل ومصائب اہل بیتؑ بیان ہونا چاہئیں۔ انہوں نے واقعات کربلا پر معتبر روایتوں کا ایک بڑا ذخیرہ ''اثارۃ الاحزان'' کے نام سے پیش کیا۔ اور عاشورا کے دن عصر کے بعد خود مجلس پڑھنے کی ابتدا کی، اس طرح ہندوستان کے علماء میں انہوں نے یہ سنت قائم کی کہ ان کے بعد ان کے جانشین یہ مجلس پڑھتے رہے۔ آج بھی یہ مجلس اسی وقت ان کے امامباڑے میں ہوتی ہے۔ اب یہاں کے علماء کو جو حقیقت میں انہیں کی ذرّیات تھے، اس پر اعتراض اور اس سے احتراز کی کیا ہمت ہوسکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کثرت سے علماء مجلسیں پڑھنے لگے۔''

حضرت غفرانمآبؒ نے غلط رسوم کو مٹا کر عزائے سید الشہداء علیہ السلام کو شرعی نظام کے ساتھ فروغ دیا۔ ساتھ ہی اکثر امامباڑوں سے پہلے اپنے ہاتھ سے عزاخانۂ حسینی کا سنگ بنیاد نصب کیا۔ اور پہلے پہل مجالس بنا کیئے بلکہ حضرت سلطان العلماء رضوان مآبؒ کو اجازۂ اجتہاد ووصیت نامہ میں عزاداری میں منہمک رہنے کی وصیت بھی فرمائی ہے۔ (ترجمہ عربی عبارت) ''یعنی اے فرزند! میں تمہیں جناب سید الشہداء خامس آل عبا سبط رسول الثقلین حضرت امام حسینؑ کی مصیبت جانگزا پر رونے، پیٹنے کی وصیت کرتا ہوں خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ ان کے سر قلم کئے گئے، ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ذبح کیئے گیئے۔ ان کے حرم محترم قید کیئے گئے اور کوچہ وبازار میں ان کی توہین کی گئی۔''

قدسیؔ جائسی فرماتے ہیں کہ:

تیرا جلوہ ڈھونڈتی تھی ہند کی تیرہ فضا
ہند کا تاریک مطلع تو نے روشن کردیا
تونے فرمائی حسینی انجمن آراستہ
تو ہوا بانی عزائے سید مظلوم کا
بن گیا تو خود شہید کربلا کا سوگوار
اہل ایماں کو رلایا صورت ابر بہار
روشن اس عالم میں کی شمع عزا صد مرحبا
جب حسینی کارنامہ تھا جہاں بھولا ہوا
کربلا کا واقعہ اک قصۂ پارینہ تھا
لوگ اسرار شہادت سے بھی تھے ناآشنا

تونے سمجھی قدر خون ناحق معصوم کی
تونے ترویج عزائے سید مظلوم کی
فدیۂ حق سبط پیغمبر حسینؑ ابن علیؑ
از سر نو جس نے بخشی دین حق کو زندگی
ہند والوں کی نظر میں اس کی وقعت کچھ نہ تھی
معرفت کی شمع تو نے انجمن افروز کی
تو نے سمجھے ماتم سلطان دیں کے فائدے
پائے مضمر اس میں ارباب یقیں کے فائدے
سب کو شیدائے امام انس و جاں فرما دیا
ملک دل میں سکۂ عرفاں رواں فرما دیا
مدتوں سے جو نہاں تھا وہ عیاں فرما دیا
راز مخصوص بقائے دیں بیاں فرما دیا
طاعت حق سمجھی لوگوں نے اطاعت شاہ کی
یاد فرزند پیمبرؐ ٹھہری یاد اللہ کی
تونے اپنے جانشیں سے بہر ترویج عزا
کی وصیت اے عزادار شہید کربلا
اس وصیت میں کچھ ایسا زور تھا تاکید کا
جانشینوں میں ترے جاری ہے اس کا سلسلا
تیری سعی بارآور مستحق داد ہے
سب کے لب پر نام شہ کا دل میں شہ کی یاد ہے

ساحرؔ لکھنوی کہتے ہیں ؎

اسی طرح سے یہ مظلوم کی عزاداری
انہیں کے دم سے یہاں ہر طرف ہوئی جاری
عزا تھی قوم کے حق میں جو وجہ بیداری
جلائی آتش غم کی دلوں میں چنگاری
قلم علم کیا پیغام کربلا کے لیئے
امامباڑے بنائے صف عزا کے لیئے
یہ لکھنؤ جو بنا مرکز علوم و عزا
شرف اسے یہ خدا کے کرم سے ہاتھ آیا
کہ خوشہ چیں ہوا بر صغیر کل اس کا
ہو فیض آباد کہ دلی، دکن کہ امروہا
یہیں سے دین کی دولت سبھوں نے پائی ہے
اسی کی علم میں شاگرد کل خدائی ہے
وہ درس اور وہ تصانیف وہ فروغ عزا

حضرت غفرانمآبؒ نے ۱۲۰۰ھ سے لکھنؤ کو مرکز بنا کر تمام ہندوستان میں جس طرح شیعیت کی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دیا اسی طرح عزاداری کی ترویج اور اس کی تاثیر وافادیت میں اضافہ کو اپنا نقطۂ نگاہ قرار دیا۔ اس کے لئے آپ نے ایک عزاخانہ اپنے وطن نصیر آباد میں بنوایا اور پھر دوسرا عزاخانہ ۱۲۲۷ھ میں لکھنؤ میں بنوایا جس کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر فرمائی۔

شمسؔ لکھنوی لکھتے ہیں کہ ”غفرانمآبؒ نے مجلسوں کے انعقاد پر زور دیا خود بھی امامباڑہ بنوایا اور اس کو سامان آرایش سے بھرنے کے بجائے مجلسوں کا اہتمام کیا اور حدیث خوانی پر زیادہ توجہ کی۔“

قدسیؔ مرحوم غفران مآبؒ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ ؎

تجھکو تھی اک خاص ارادت حضرت شبیرؑ سے
کشتۂ تیر و سنان و نیزہ و شمشیر سے
سید خونیں کفن سے سرور دلگیر سے
فاطمۂ زہرا کے ماہ کامل التنویر سے
آیت عشق حسینی ہے حسینیہ ترا
مرکز جذب حقیقی ہے حسینیہ ترا

حسینیۂ غفرانمآبؒ کی تعمیر اور مجالس کو تقریباً دوسو سال پورے ہونے کو ہیں اس کے پہلے ذاکر خود غفرانمآبؒ ہیں اور دوسرے ذاکر آپ کے فرزند اکبر ہیں جو اودھ میں حکومت شرعیہ کے مؤسس بھی ہیں اور جنھوں نے دینداری و عزاداری کو مزید فروغ دیا۔ سلطان العلماء نور اللہ مرقدہ عصر عاشور کو منبر پر سر برہنہ تشریف لے جا کر تذکرۂ مصائب فرماتے تھے جن کے چند جملے مجلس میں کہرام برپا کر دیتے تھے۔ سلطان العلماء کے بعد ملک العلماء مغفرت مآبؒ نے یہ سنت قائم رکھی بعدہ ملاذ العلماء مولانا سید ابوالحسن عرف بچھن صاحب قبلہ اس عصر کی مجلس کو اپنے انتہائی مؤثر انداز میں پڑھتے رہے اور پھر بحر العلوم مولانا سید محمد حسین عرف علن صاحب قبلہ تو ایک مجتہدانہ رنگ ذاکری کے بانی ہوئے جن کے بعد سے وہ تفریق جو علماء و ذاکرین کی تھی، بہت حد تک ختم ہوگئی۔ مولانا شمسؔ لکھتے ہیں کہ ''بحر العلوم نے ذاکری کے فن میں انقلاب پیدا کیا۔ حدیث وتفسیر اور فلسفیانہ موشگافیوں سے تقریر کو علمی بنا کر موجودہ طرز ذاکری کے موجد ہوئے۔'' بحر العلوم کے ایجاد کردہ طرز ذاکری کو خاندان اجتہاد سے متعلق ذاکر، خطیب اعظم علامہ سید سبط حسن نقوی فاطرؔ جائسی نے آسمان پر پہنچا دیا۔ اور خطیب اعظم کے عہد شباب ذاکری ہی میں ''ذاکر شام غریباں'' کے لقب سے ملقب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین نقوی مجتہد نے ذاکری شروع کی۔ اور کچھ ہی عرصہ میں عالمگیر شہرت کے مالک ذاکر ہوگئے۔ عمدۃ العلماء نے تقریباً ساٹھ سال ذکر فضائل و مصائب اہلبیتؑ بیان فرمائے اور ۱۹۲۶ء سے تاحیات دنیا بھر میں سنی جانے والی مجلس شام غریباں پڑھی۔ حیات اللہ انصاری کا بیان ہے کہ ''انہیں الفاظ کے پیکر سجانے کے ساتھ ان کو جذبات کی روح عطا کرنے کا بھی سلیقہ تھا۔'' حسینیۂ غفرانمآبؒ کے خصوصی ذاکر عمدۃ العلماء کا ذکر، تذکرۂ خاندان اجتہاد کے درمیان اپنے مرثیے ''فقہ وشمشیر'' میں ساحرؔ اجتہادی یوں فرماتے ہیں کہ ؎

اس گلستاں کے سبھی گل تھے شگفتہ شاداب
حضرت کلب حسین آپ مگر اپنا جواب
منبر علم کی زینت تو وقار محراب
جنکی پیری تھی زلیخائے خطابت کا شباب
مطلع علم پہ جب وہ قمرآرا چمکا
صبح اقبال فصاحت کا ستارہ چمکا

صاحب مطلع انوار تحریر فرماتے ہیں کہ ''مولانا کلب حسین صاحب کو خدا نے قوت بیان اور ملکۂ خطابت مرحمت فرمایا تھا اس لیئے منبر کو زینت بخشی اور دن بہ دن ترقی کرتے گئے۔ مطالعہ اور محنت سے اپنے بزرگوں کے سامنے شہرت اور ناموری کے مدارج عالیہ طے کیئے۔ ہر انجمن انہیں اپنا سرپرست جانتی تھی۔ برصغیر کے ہر گوشہ تک ان کی آواز

پہنچتی تھی۔ شیعہ ایجیٹیشن میں ان کی قید اور سنی شیعہ اسٹیج پر ان کی تقریر، شیعوں کی زعامت اور سنیوں سے اتحاد انکی شخصیت کا روشن پہلو ہے۔ ان صفات نے انہیں حیرت انگیز محبوبیت بخشی تھی۔ جناب نجم الملۃ اور ناصر الملۃ کے بعد مرجعیت میں ان کی ذات منفرد ہوگئی تھی۔ ان کی سب سے بڑی مصروفیت مجلسیں تھیں۔ وہ برصغیر کے گوشے گوشے میں پہونچے مگر جمعہ کے دن آصف الدولہ کی مسجد میں نماز بہرحال ادا کی۔ محرم میں عشرۂ مجالس کی گنتی دشوار ہے لیکن غفرانمآبؒ کے امامباڑے اور چھوٹی رانی کے عزاخانہ اقبال منزل کی مجلسیں یادگار تھیں۔ خطابت میں ان کا اسلوب بہت دلکش تھا۔ ان کا لہجہ نرم، انداز بیان سادہ، زبان فصیح وشیریں، مطالب لطیف وعام فہم وعالمانہ، کوثر کی روانی، سلسبیل کا بہاؤ، منبر کا وقار اور آواز کا دھیما پن، نہ چیخ نہ پکار، نہ دبی ہوئی صدا، ہزاروں کا مجمع مگر دور دور تک آواز پہنچ رہی ہے۔ آواز کے ساتھ سامعین کا حضور ذہن، درود وداد، گریہ وفریاد، جب چاہا رلا دیا پھر مصائب میں تصنع نہ فضائل میں شور۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر کی سطح پر ہوا کے جھونکے ہلکا ہلکا تموج پیدا کر رہے ہیں۔''

خطیب اعظم کے عہد میں خاندان اجتہاد کے ایک اور عظیم محقق یعنی حکیم الامت علامۂ ہندی سید احمد نقوی مجتہد بھی اپنے علم وفن خطابت سے زمانہ کو مستفید فرما رہے تھے اور کچھ عرصے کے بعد تو سید العلماء علامہ سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ نے کمال احتیاط وتحقیق سے ذاکری کو معراج ہی عطا کردی۔

علامہ سید سعید اختر گوپالپوری ''خورشید خاور'' میں رقمزن ہیں کہ ''سید العلماء کی خطابت کا ایک خاص رنگ تھا۔ جو عبارت آرائی اور سستی نکتہ آفرینی کے بجائے علم اور تحقیق پر مبنی تھا اور ایک گھنٹے کی مجلس میں حقائق ومعارف کے کتنے دروازے وا ہوجاتے تھے۔ ان کی تقریر وتحریر میں بہت کم فرق ہوتا تھا۔ دوسری خاص بات ان کی تقریروں میں یہ تھی کہ ہر مذہب وملت کا ماننے والا اسے اطمینان قلب کے ساتھ سن سکتا تھا اور فیضیاب ہوسکتا تھا۔ کسی جملے سے کسی کی دل آزاری کا خطرہ نہیں تھا۔''

ساحرؔ اجتہادی اپنے مرثیہ ''علم اور علماء'' میں فرماتے ہیں

جناب مولوی سید علی نقی، جیسا
بہت ہی کم کوئی عالم یہاں ہوا ہوگا
وہ اہل علم کی نظروں میں سید العلماء
وہ اہل حق کے لیئے آیۃ اللہ العظمیٰ
حسینیت میں وہ اک فکر نو کے بانی تھے
جہان علم میں اللہ کی نشانی تھے
خطابت ایسی کہ اغیار بھی مقر ہوں کہ ہاں
نظر عمیق، مضامیں دقیق، بات آساں
فضائل ایسے کہ ایمان ہو دلوں میں جواں
دلائل ایسے کہ تائید کو بڑھے قرآں
زبان وہ کہ فصاحت نثار ہو جائے
ہے کون جس نے خطابت میں طرح نو ڈالی
مصائب ایسے کہ دل بیقرار ہو جائے

اور اسی دور تحقیق وتبلیغ میں ذاکر شام غریباں عمدۃ العلماء کے دو فرزندوں یعنی آقائے شریعت صفوۃ العلماء

مولانا سید کلب عابد نقوی امام جمعہ لکھنؤ طاب ثراہ اور مفکر اسلام ڈکٹر مولانا سید کلب صادق صاحب قبلہ نے بھی تبلیغ دین کے ساتھ نشر و ترویج عزا کی خدمت کے لیئے ذاکری کا سہارا لیا اور حد ہے کہ صفوۃ العلماء نے کار عزا ہی میں شربت شہادت بھی نوش فرمالیا۔

ساحر لکھنوی فرماتے ہیں ؎

اسی سورج کا اجالا اسی مہتاب کا نور
کلب عابد سا وہ خوش خلق و خوش اطوار و غیور
پیکر علم و عمل، صدق و صفا، فہم و شعور
خدمت شرع سے آقائے شریعت مشہور
منبر علم پہ رتبہ تھا دوبالا ان کا
تھا سر شام غریباں بھی اجالا ان کا
منبر علم تھا ان کو جو تجلی گہہ طور
رفعتیں ان کی قدم بوس تھیں حسب دستور
عظمتیں ساتھ تھیں کہتی ہوئی سرکار حضور
اس پہ نخوت تھی نہ غرہ نہ تکبر نہ غرور
بڑھ کے چلتے تھے تو اک رہبر عالی کی طرح
جھک کے ملتے تھے تو پھولوں بھری ڈالی کی طرح

خاندان اجتہاد کے تمام افراد کے گھر گھر عزاخانے ہیں ہی لیکن سال بھر زیارت گاہ خواص و عوام کی حیثیت جن عزاخانوں کو حاصل ہے وہ حسینیۂ غفران مآبؒ کے علاوہ، حسینیۂ جنت مآبؒ، حسینیۂ مولانا علی نقی اور کربلائے مہدی تعمیر کردہ منصف الدولہ بہادر ہیں۔ خاندان اجتہاد کے جن تاریخ ساز ذاکروں کا گذشتہ سطور میں ذکر خیر ہوا ہے ان کے علاوہ بھی ہر عہد میں باکمال ذاکرین و واعظین، مرثیہ گویان و مرثیہ خوانان حضرات کی ایک اچھی خاصی تعداد تھی اور خدا کا شکر ہے کہ آج بھی ہند و پاک میں علماء و خطباء خاندان اجتہاد ''خالق کی توحید اور خلائق کے اتحاد'' کے تحت خدمت دین خدا و تبلیغ عزائے سید الشہداءؑ میں مصروف ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک مصروف رہیں گے۔ آقائے شریعت کے بعد سے تعلیمات اسلامیہ کے عظیم مرکز حسینیۂ حضرت غفرانمآبؒ میں قائد ملت جعفریہ مولانا سید کلب جواد نقوی صاحب (امام جمعہ لکھنؤ) عشرۂ مجالس اور اسی عزاخانہ کی ایجاد شدہ مجلس شام غریباں کو خطاب فرما رہے ہیں اور ایمان افروز و نفاق شکن بیانات سے مومنین کرام مستفیض ہو رہے ہیں۔ اس سال موصوف نے علماء و خطباء سے خواہش کی ہے وہ اپنی تقریروں سے اتحاد بین المسلمین کو تقویت پہنچائیں۔

عزائے امام حسین علیہ السلام اتحاد بین المسلمین ہی نہیں بلکہ اتحاد نوع بشر کا سب سے بڑا اور مفید ذریعہ ہے۔ شاعر اہلبیت حضرت نجم آفندی طاب ثراہ فرماتے ہیں کہ:

ملت کے تفرقے کا نہ سامان کیجئے
قرآن کے ورق نہ پریشان کیجئے
جاں دی تھی اتحاد کی خاطر حسینؑ نے
پورا شہید ظلم کا ارمان کیجئے
سرکار دوجہاں کی محبت کے نام پر
آپس کے اختلاف کو قربان کیجئے
مرکز بنا کے آج حسینی نشان کو
دنیا میں اتحاد کا اعلان کیجئے